جملہ حقوق غیر محفوظ

کتاب : حضرت موسیٰ علیہ السلام کا علمی سفر
مصنف : **مولانا غیاث احمد رشادی**
صفحات : ۳۲ (بتیس)
تعداد اشاعت : ایک ہزار
کمپیوٹر کتابت : محمد احمد الدین، رشادی کمپیوٹر سنٹر،
قدیم ملک پیٹ، حیدرآباد- فون:30909889
ناشر : مکتبہ سبیل الفلاح ایجوکیشنل اینڈ ویلفیر اسوسی ایشن، رجسٹرڈ-۶۷۵
نزد یونیک ہائی اسکول، واحد نگر، قدیم ملک پیٹ، حیدرآباد-انڈیا۔
ای-میل:maktabasabeelulfalah@yahoo.com
قیمت : دس روپئے Rs.10/-

ملنے کے پتے

۱ مکتبہ سبیل الفلاح ایجوکیشنل اینڈ ویلفیر اسوسی ایشن، رجسٹرڈ نمبر-۶۷۵،
نزد یونیک ہائی اسکول، واحد نگر، قدیم ملک پیٹ، حیدرآباد-فون:30909889
۲ ہندوستان پیپر ایمپوریم مچھلی کمان، حیدرآباد-
۳ حسامی بک ڈپو، مچھلی کمان، حیدرآباد-
۴ الاوراق پبلیشرز، کرماگوڑہ، حیدرآباد۔
۵ کلاسیکل آٹوموٹیو، 324 C.M.H. Road، اندرانگر، بنگلور-
۶ دارالکتاب، گن فاونڈری، عابڈس، حیدرآباد۔
۷ کمرشیل بک ڈپو، چارمینار، حیدرآباد۔
۸ مولانا جواد احمد خان، دارالعلوم سبیل الرشاد، بنگلور۔

فہرست مضامین

☐ درس اولیں
☐ سورۂ کہف اور واقعہ موسیٰ
☐ قصۂ حضرت موسیٰ وخضر
☐ اے طالب علم
☐ حصول علم کیلئے عزم مصمم چاہئے
☐ حصول علم کیلئے سفر
☐ حصول علم کیلئے مشکلات کا سامنا
☐ راہِ علم کی نشاندہی
☐ حصول علم میں شیطان کی شرارت
☐ مطالعہ میں غرق رہیں
☐ علمی سفر اور ساتھی کا انتخاب
☐ حضرت موسیٰ کی درخواست
☐ شاگرد استاد کے تابع ہے
☐ شاگرد صبر سے کام لے
☐ شاگرد کا اصرار کرنا
☐ شاگرد نافرمانی نہ کرے
☐ کیا شاگرد کو سوال کا حق ہے؟
☐ چھوٹوں سے علم
☐ حصول علم کا شوق
☐ شاگرد اور معافی
☐ استاد معاف بھی کر دیتا ہے
☐ استاد شاگرد دونوں حق پر
☐ استاد بالتدریج تنبیہ کرے
☐ ایک اور موقعہ مانگے
☐ شاگرد اپنے استاد کا احسان یاد رکھے
☐ صبر سے علم بڑھتا ہے
☐ علمی سفر میں نصرت اور آزمائش
☐ شاگرد استاد سے کب جدا ہو؟
☐ دیوار کے نیچے کیا خزانہ تھا؟
☐ خلاف ورزی پر اخراج

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

درس اولیں

قرآن مجید میں انبیاء کرام علیہم السلام کی زندگی، حالات اور ان سے متعلقہ واقعات کو جگہ جگہ بیان کیا گیا ہے تاہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے واقعات کو جس قدر تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اس قدر تفصیل سے کسی بھی پیغمبر کے واقعات کو بیان نہیں کیا گیا، قرآن مجید کی ۳۷ سورتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم بنی اسرائیل کا تذکرہ ہے اور ۵۱۴ آیتیں حضرت موسیٰؑ اور آپ کی قوم بنی اسرائیل نیز فرعون وغیرہ سے متعلق ہیں، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اسم گرامی ۱۰۷ مرتبہ قرآن مجید میں آیا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا واقعہ، قبطی کے قتل کا واقعہ، مدین کی طرف ہجرت کا واقعہ، حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹیوں کی مدد کا واقعہ، حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس آٹھ یا دس سال گزارنے کی تفصیلات، مدین سے کوہِ طور پر اپنی اہلیہ کے ساتھ آنے کا واقعہ، معجزوں کے عطا کئے جانے کا واقعہ، عطائے نبوت اور رب ذوالجلال سے ہم کلامی کا واقعہ، فرعون کے دربار میں پہنچنے کا واقعہ، جادوگروں سے مقابلہ کرنے کا واقعہ، نو معجزوں کے دیئے جانے کی تفصیلات، بنی اسرائیل کو لے کر سمندر پار کرنے اور نجات پانے کا واقعہ، فرعون اور آل فرعون کے غرق کر دیئے جانے کا واقعہ، بنی اسرائیل کے بے جا مطالبات کی تفصیلات، کوہِ طور میں اعتکاف کا واقعہ، سامری کی گوسالہ پرستی کا واقعہ، کوہِ طور سے واپسی کا واقعہ، قوم کے ستر افراد کے انتخاب اور ان کی موت وحیات کا واقعہ، کوہِ طور کے بنی اسرائیل کے سروں پر اٹھائے جانے کا واقعہ، گائے کے ذبح کئے جانے کا واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دوسرے دشمن قارون کا واقعہ ان تمام واقعات سے ہزاروں نصیحتیں ہمیں مل سکتی ہیں ہم تفکر وتدبر کے ساتھ ان واقعات کا گہرائی و گیرائی سے مطالعہ کریں۔

حضرت موسیٰؑ کی زندگی سے متعلق مذکورہ واقعات کے علاوہ ایک اور واقعہ بھی ہے

جس واقعہ کا تعلق علمی سفر سے ہے، حضرت موسیٰؑ کی زندگی کا یہ ایک اہم سفر ہے جس سفر کی تفصیلات ابتدا تا انتہا ایک خاص انداز میں بیان کی گئی ہیں، یہ سفر دراصل اللہ کے ایک خاص بندے سے ملاقات کا سفر تھا، سفر کرنے والے حضرت موسیٰ علیہ السلام رفیق سفر حضرت یوشع بن نون اور جن سے ملاقات کیلئے سفر کیا جا رہا ہے وہ حضرت خضر علیہ السلام اور جس مقصد کے تحت حضرت موسیٰؑ کو اس سفر کا حکم دیا گیا تھا وہ مقصد حصول علم ہے، اس طرح یہ سفر ایک شاگرد کا سفر ہے اپنے ایک ایسے استاد کی طرف جس کا پتہ کوئی نہیں جانتا تھا۔

عرصہ سے حضرت موسیٰؑ کی زندگی کے اس اہم ترین قصہ کو بالتفصیل بیان کرنے کی تمنا دل میں تھی، مقصد صرف واقعہ بیان کرنا نہیں تھا بلکہ اس واقعہ کے پس پردہ ان حقائق سے آگاہ کرنا مقصود تھا جن کا تعلق ان طلباء کرام سے ہے جو علوم اسلامی کی پیاس اپنے سینے میں رکھے اس پیاس بجھانے کیلئے مدارس ومکاتب میں موجود ہیں، یا کسی فن کے ماہر کی خدمت میں موجود ہیں۔

اس محنت کا مقصد طلبائے علوم دینیہ کو وہ زرین اصول واضح انداز میں دینا ہے جن اصول کی انہیں اس زمانہ حصول علم میں ضرورت پیش آتی ہے، مجھے امید ہے کہ طلباء کرام حقیقی شاگرد بننے کیلئے اس واقعہ کو غور وفکر کے ساتھ پڑھیں گے اور ایک حقیر طالب علم کے حق میں دعا دیں گے کہ اس نے اپنی برداری کو ان حقائق سے آگاہ کیا۔

غیاث احمد رشادی

سورۂ کہف اور واقعۂ موسیٰ

حضرت موسی علیہ السلام کے اس عظیم سفر کی روداد قرآن مجید نے خاص اسلوب میں بیان کی ہے، ذی شعور طبقہ اس اسلوب کی شیرینی کو محسوس کیئے بغیر ہرگزنہیں رہے گا، یہ واقعہ قرآن مجید کی وہ سورت جس میں قرآن مجید کا وہ لفظ موجود ہے جس لفظ (ولیتلطف) پر قرآن مجید حروف کی تعداد کے لحاظ سے دو حصوں میں منقسم ہو جاتا ہے، یہ وہ سورت ہے جس کو سورۂ کہف کہا جاتا ہے جس میں صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک واقعہ ہی نہیں بلکہ دیگر واقعات بھی مذکور ہیں، بنیادی طور پر اس سورت میں وہ واقعہ بیان کیا گیا ہے جس کا تعلق اصحاب کہف سے ہے جو موحدین کی ایک چھوٹی سی جماعت تھی جنھیں اپنی جان سے زیادہ ایمان محبوب تھا، اسی واقعہ کی بنیاد پر اس سورۃ کو سورۂ کہف کہا گیا ہے، کہف غار کو کہتے ہیں اور اصحاب کہف غار والوں کو کہتے ہیں اور غار والے کہنے کی وجہ یہ کہ انہوں نے اپنے ایمان کو بچانے کیلئے غار میں پناہ لے رکھی تھی، اور اللہ تعالیٰ نے قدرت کے کرشمے بتلائے، نصیحت حاصل کرنے والوں کیلئے اس واقعہ میں بھی کافی سامان موجود ہے۔**فاعتبروایااولی الابصار۔**

اس کے علاوہ سورۂ کہف کی آیت نمبر۶۰ سے آیت نمبر۸۲ تک یعنی کل تیئیس آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علمی سفر کے واقعہ کو جامع انداز میں بیان کیا گیا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نبوی دور بھی تیئیس سال رہا اور قرآن مجید کے نزول کا زمانہ بھی تیئیس سال ہے، ہم پہلے ان آیات ربانی کونقل کریں گے تا کہ قرآن مجید نے اس واقعہ کو جس فصاحت و بلاغت میں پیش کیا ہیں اس کو اہل علم محسوس کرسکیں۔

واذ قال موسیٰ لفتٰه لا ابرح حتی ابلغ مجمع البحرین او امضی حقباً۔فلما بلغا مجمع بینهما نسیا حوتها فاتخذ سبیله فی البحرسربا۔ فلما جاوزا قال لفتٰه اٰتنا غداء نا لقد لقینا من سفرناهذا نصبا۔ قال أرء یت اذ اوینآ الی الصخرة فانی نسیت الحوت ومآانسٰنیه الا الشیطٰن ان اذکره واتخذ سبیله فی البحر عجبا۔قال ذلك ماكنانبغ

فارتداعلی اٰثارھماقصصا۔ فوجدا عبدا من عبادنا اتینٰه رحمة من عند نا وعلمنٰه من لدنا علما۔ قال له موسی هل اتبعك علی ان تعلمن مما علمت رشدا قال انك لن تستطیع معی صبرا۔ وکیف تصبرعلی مالم تحط به خبرا۔قال ستجدنی ان شاء اللّٰه صابراولا اعصی لك امرا۔ قال فان اتبعتنی فلا تسئلنی عن شیء حتی احدث لك منه ذکرا۔

فانطلقا حتی اذارکبافی السفینة خرقها قال اخرقتها لتغرق اهلها لقد جئت شیئا امرا۔ قال الم اقل انك لن تستطیع معی صبرا۔ قال لاتؤا خذنی بما نسیت ولا ترهقنی من امری عسرا۔ فانطلقا حتی اذا لقیا غلٰما فقتله قال اَقتلت نفسازکیة بغیر نفس لقد جئت شیئا نکرا۔ قال الم اقل لك انك لن تستطیع معی صبرا۔ قال ان سالتك عن شی بعد ها فلا تصحبنی قد بلغت من لدنی عذرا۔ فانطلقا حتی اذا اتیا اهل قریة استطعما اهلها فابوا ان یضیفوهما فوجدا فیها جدارایرید ان ینقض فاقامه قال لوشئت لتخذت علیه اجرا۔ قال هذا فراق بینی وبینك سانبئك بتاویل مالم تستطع علیه صبرا ۔

اما السفینة فکانت لمسکین یعملون فی البحرفاردت ان اعیبها وکان وراء هم ملك یاخذکل سفینة غصبا۔ واما الغلٰم فکان ابوٰه مؤمنین فخشینا ان یرهقهما طغیانا وکفرا۔ فاردنا ان یبدلهماربهماخیرامنه زکوةواقرب رحما ۔ واماالجدارفکان لغلٰمین یتیمین فی المدینة وکان تحته کنزلهما وکان ابوهما صالحا فارادربك ان یبلغا اشد هما ویستخرجا کنزهما رحمة من ربك وما فعلته عن امری ذلك تاویل مالم تسطع علیه صبرا۔

ہم ان آیات کی روشنی میں مکمل واقعہ کو بیان کریں گے واقعہ کے بیان ہوجانے کے بعد حصول علم میں مصروف طلباء کیلئے اس واقعہ کے ہر ہر جز سے کیا سبق اور کیا اصول ملتا ہے اس کی وضاحت کریں گے۔

قصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام وخضر علیہ السلام

اس واقعہ کی تفصیل صحیح بخاری ومسلم میں بروایت حضرت ابی بن کعبؓ اس طرح آئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰؑ اپنی قوم بنی اسرائیل میں خطبہ

دینے کیلئے کھڑے ہوئے تو لوگوں نے آپ سے یہ سوال کیا کہ تمام انسانوں میں سب سے زیادہ علم والا کون ہے (حضرت موسیٰؑ کے علم میں اپنے سے زیادہ علم والا کوئی تھا نہیں اس لئے) فرمایا کہ ''میں سب سے زیادہ علم والا ہوں'' (اللہ تعالیٰ اپنے مقرب بارگاہ انبیاء کو خاص تربیت دیتے ہیں اس لئے یہ بات پسند نہ آئی بلکہ ادب کا مقتضیٰ یہ تھا کہ اس کو اللہ کے علم کے حوالے کرتے، یعنی یہ کہہ دیتے کہ اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں کہ ساری مخلوق میں اعلم (زیادہ جاننے والا) کون ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس جواب پر اللہ تعالیٰ کا عتاب ہوا، (موسیٰ علیہ السلام کو جب معلوم ہوا تو اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ جب وہ مجھ سے زیادہ اعلم ہیں تو مجھے ان سے استفادہ کیلئے سفر کرنا چاہیے) اس لئے عرض کیا یا اللہ مجھے ان کا پتہ نشان بتلا دیا جائے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک مچھلی اپنی زنبیل میں رکھ لو، اور مجمع البحرین کی طرف سفر کرو، جس جگہ پہونچ کر یہ مچھلی گم ہوجائے بس وہی جگہ ہمارے اس بندے کے ملنے کی ہے، موسیٰؑ نے حکم کے مطابق ایک مچھلی زنبیل میں رکھ لی اور چل دیئے، ان کے ساتھ ان کے خادم یوشع بن نون بھی تھے، دوران سفر ایک پتھر کے پاس پہونچکر اس پر سر رکھ کر لیٹ گئے، یہاں اچانک یہ مچھلی حرکت میں آگئی اور زنبیل سے نکل کر دریا میں چلی گئی، اور (مچھلی کے زندہ ہوکر دریا میں چلے جانے کے ساتھ ایک دوسرا معجزہ یہ ہوا کہ) جس راستہ سے مچھلی دریا میں گئی اللہ تعالیٰ نے وہاں پانی روک دیا اور اس جگہ پانی کے اندر ایک سرنگ جیسی ہوگئی، (یوشع بن نون اس عجیب واقعہ کو دیکھ رہے تھے، موسیٰ علیہ السلام سو گئے تھے) جب بیدار ہوئے تو یوشع بن نون مچھلی کا یہ عجیب معاملہ حضرت موسیٰؑ سے بتلانا بھول گئے، اور اس جگہ سے پھر روانہ ہوگئے، پورے ایک دن ایک رات کا مزید سفر کیا، جب دوسرے روز کی صبح ہوگئی تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رفیق سے کہا کہ ہمارا ناشتہ لاؤ، کیونکہ اس سفر سے کافی تکان ہوچکا ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ (بقضائے الٰہی) موسیٰؑ کو اس سے پہلے تکان بھی محسوس نہیں ہوا، یہاں تک کہ جس جگہ پہنچنا تھا اس سے آگے نکل آئے، جب موسیٰ علیہ السلام نے ناشتہ طلب کیا تو یوشع بن نون کو مچھلی کا

واقعہ یاد آیا، اور اپنے بھول جانے کا عذر کیا، کہ شیطان نے مجھے بھلا دیا تھا، کہ اس وقت آپ کو اس واقعہ کی اطلاع نہ کی، اور پھر بتلایا کہ وہ مردہ مچھلی تو زندہ ہوکر دریا میں ایک عجیب طریقہ سے چلی گئی، اس پر موسیٰؑ نے فرمایا کہ وہی تو ہمارا مقصد تھا (یعنی منزل مقصود وہی تھی جہاں مچھلی زندہ ہوکر گم ہو جائے)۔

چنانچہ اسی وقت واپس روانہ ہوگئے، اور ٹھیک اسی راستہ سے لوٹے جس پر پہلے چلے تھے تاکہ وہ جگہ مل جائے، اب جو یہاں اس پتھر کے پاس پہونچے تو دیکھا کہ اس پتھر کے پاس ایک شخص سر سے پاؤں تک چادر تانے ہوئے لیٹا ہے، موسیٰ علیہ السلام نے (اسی حال میں) سلام کیا تو حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کہ اس (غیر آباد) جنگل میں سلام کہاں سے آگیا، اس پر موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میں موسیٰ ہوں، تو حضرت خضر علیہ السلام نے سوال کیا کہ موسیٰ بنی اسرائیل؟ آپ نے جواب دیا کہ ہاں میں موسیٰ بنی اسرائیل ہوں، اس لئے آیا ہوں کہ آپ مجھے وہ خاص علم سکھلا دیں جو اللہ نے آپ کو دیا ہے۔

خضرؑ نے کہا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کرسکیں گے، اے موسیٰ! میرے پاس ایک علم ہے جو اللہ نے مجھے دیا ہے، وہ آپ کے پاس نہیں، اور ایک علم آپ کو دیا ہے جو میں نہیں جانتا، موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے، اور میں کسی کام میں آپ کی مخالفت نہیں کروں گا۔

حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر آپ میرے ساتھ چلنے ہی کو تیار ہیں تو کسی معاملہ کے متعلق مجھ سے کچھ پوچھنا نہیں جب تک کہ میں خود آپ کو اس کی حقیقت نہ بتلاؤں۔

یہ کہہ کر دونوں حضرات دریا کے کنارے کنارے چلنے لگے، اتفاقاً ایک کشتی آگئی تو کشتی والوں سے کشتی پر سوار ہونے کی بات چیت کی، ان لوگوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو پہچان لیا اور ان سب لوگوں کو بغیر کسی کرایہ اور اجرت کے کشتی میں سوار کرلیا، کشتی میں سوار ہوتے ہی خضر علیہ السلام نے ایک کلہاڑی کے ذریعہ کشتی کا ایک تختہ نکال ڈالا، حضرت موسیٰ علیہ السلام (سے نہ رہا گیا) کہنے لگے کہ ان لوگوں نے بغیر کسی معاوضہ کے ہمیں کشتی میں

سوار کرلیا، آپ نے اس کا یہ بدلہ دیا، کہ انکی کشتی توڑ ڈالی، کہ یہ سب غرق ہو جائیں، یہ تو آپ نے بہت برا کام کیا، خضر علیہ السلام نے کہا کہ میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہ کرسکیں گے، اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عذر کیا کہ میں اپنا وعدہ بھول گیا، اس بھول پر آپ سخت گیری نہ کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واقعہ نقل کرکے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کا پہلا اعتراض بھول سے ہوا تھا اور دوسرا بطور شرط کے اور تیسرا قصداً (اسی اثنا میں) ایک چڑیا آئی اور کشتی کے کنارے پر بیٹھ کر اس نے دریا میں سے ایک چونچ بھر پانی لیا، خضر علیہ السلام نے موسیٰ کو خطاب کرکے کہا کہ میرا علم اور آپ کا علم دونوں مل کر بھی اللہ کے علم کے مقابلہ میں اتنی حیثیت بھی نہیں رکھتے جتنی کے اس چڑیا کی چونچ کے پانی کو اس سمندر کے ساتھ ہے۔

پھر کشتی سے اتر کر دریا کے ساحل پر چلنے لگے، اچانک خضر علیہ السلام نے ایک لڑکے کو دیکھا کہ دوسرے لڑکوں میں کھیل رہا ہے، خضر علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے اس لڑکے کا سر اسکے بدن سے الگ کردیا، لڑکا مرگیا، موسیؑ نے کہا کہ آپ نے ایک معصوم جان کو بغیر کسی جرم کے قتل کردیا، یہ تو آپ نے بڑا ہی گناہ کیا، خضر علیہ السلام نے کہا کہ کیا میں نے آپ کو پہلے ہی نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہ کرسکیں گے، موسیؑ نے دیکھا کہ یہ معاملہ پہلے معاملہ سے زیادہ سخت ہے، اس لئے کہا کہ اگر اس کے بعد میں نے آپ سے کوئی بات پوچھی تو آپ مجھے اپنے سے الگ کردیجئے، آپ میری طرف سے عذر کی حد پر پہنچ چکے ہیں۔

اس کے بعد پھر چلنا شروع کیا، یہاں تک کہ ایک گاؤں پر گذر ہوا، انھوں نے گاؤں والوں سے درخواست کی کہ ہمیں اپنے یہاں مہمان رکھ لیجئے، انھوں نے انکار کردیا، اس بستی میں ان لوگوں نے ایک دیوار کو دیکھا کہ گرا چاہتی ہے، حضرت خضرؑ نے اس کو اپنے ہاتھ سے سیدھا کھڑا کردیا، موسیؑ نے تعجب سے کہا کہ ہم نے ان لوگوں سے مہمانی چاہی تو انھوں نے انکار کردیا، آپ نے اتنا بڑا کام کردیا، اگر آپ چاہتے تو اس کام کی اجرت ان سے لے سکتے تھے، خضرؑ نے کہا کہ **ھذا فراق بینی وبینک** (یعنی اب شرط

پوری ہو چکی اس لئے ہماری اور آپ کی مفارقت کا وقت آ گیا ہے)۔

اس کے بعد خضر علیہ السلام نے تینوں واقعات کی حقیقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بتلا کر کہا ذلك تاويل مالم تسطع عليه صبرا، ''یعنی یہ ہی حقیقت ان واقعات کی ہے جن پر آپ سے صبر نہیں ہوسکا'' رسول اللہ ﷺ نے یہ پورا واقعہ ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ جی چاہتا ہے کہ موسیٰؑ اور کچھ صبر کر لیتے تو ان دونوں کی اور کچھ خبریں معلوم ہو جاتیں (انتھیٰ)

اے طالب علم !

یوں تو اس واقعہ سے عوام وخواص ہر ایک کیلئے غور وفکر کی بیسیوں چیزیں ہیں لیکن بطور خاص حصول علم میں مشغول ومصروف طلباء کرام کیلئے ایسے رہنما اصول ہیں جنکی مدد سے نہ صرف حصول علم میں وہ کامیابی حاصل کر سکتے ہیں بلکہ انکے ذریعہ ترقی کی کئی منزلیں پا سکتے ہیں۔

واقعہ پر جیسے جیسے غور کیا جا رہا ہے ضمنی بہت سی باتیں ذہن میں آ رہی ہیں لیکن چونکہ ہمیں اپنے معمول کے مطابق اختصار کو پیش نظر رکھنا ہے اور کتاب کو طوالت سے بچانا ہے اسلئے ہم موضوع سے متعلقہ ضروری باتوں کو بیان کرتے ہوئے آگے بڑھنے کی کوشش کریں گے تا کہ استفادہ کرنے والے کم وقت میں اپنا مقصد حاصل کر لیں، ویسے بھی طلباء کرام کا وقت انتہائی قیمتی ہوتا ہے، درسی کتابوں اور ان کی شروحات دیکھنے اور عبارتوں کے حل کرنے کیلئے ہی انہیں کافی وقت چاہیے ایسے میں ہماری طویل کتابیں ان کیلئے سد راہ ثابت ہوں گی۔ اس لئے ضروری باتوں پر اکتفا کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔

حصول علم کیلئے عزم مصمم چاہئے

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ بات بتلا دی گئی کہ مجمع البحرین پر ایک بندہ ہے جو آپ سے زیادہ جاننے والا ہے تو حضرت موسیٰؑ نے اللہ کے اس بندہ سے ملاقات کی ٹھان لی

اور اپنے ساتھی سے فرمانے لگے کہ میں تو وہاں پہنچے بغیر دم نہ لوں گا، میں اس علمی سفر میں برابر چلا جاؤں گا یہاں تک کہ اس موقع پر پہنچ جاؤں جہاں دو دریا آپس میں ملے ہوتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ جملہ **لاابرح حتی ابلغ مجمع البحرین**۔ طالب علموں کی رہنمائی و رہبری کرتا ہے کہ انہیں جب معلوم ہو جائے کہ فلاں صاحب علم و ہنر ہیں وہ اپنے علم و فن میں کامل و ماہر ہیں یا کسی ایسے ادارہ کا علم ہو جائے کہ وہاں واقعی علوم وفنون کا دریا بہتا ہے تو پھر اس ادارہ سے علم حاصل کرنے کیلئے پختہ ارادہ کے ساتھ نکل جانا چاہئیے۔ لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ جس جگہ آپ علم حاصل کر رہے ہیں وہاں سے چلے جائیں اور اس طرح ایک ادارہ سے دوسرے ادارہ میں کودتے رہیں یہ اس وقت ہے جب کہ آپ ابھی کسی ادارۂ علمی سے وابستہ نہ ہوں۔

حصول علم کیلئے سفر

آج بھی یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے (جبکہ ہر طرف علوم وفنون کا زور وشور ہے) کہ جو لوگ علم دین کے حاصل کرنے کیلئے اپنے گھر سے نکلتے ہیں دور دراز کا سفر کرتے ہیں ان کا علم مضبوط اور اپنے مقام پر رہ کر پڑھنے والوں کے مقابلہ میں زیادہ وسیع ہوتا ہے۔

قدرت کا نظام اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ علم کیلئے سفر کی صعوبتوں کو برداشت کیا جائے، یہی وجہ تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مجمع البحرین تک سفر کرنے اور صاحب علم سے استفادہ کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے، اور حضرت موسیٰؑ بھی سفر کے آغاز پر یہ جملہ ارشاد فرما رہے ہیں کہ میں مجمع البحرین کی جگہ پہنچوں گا چاہے مجھے سالہا سال چلنا پڑے (**اوامضی حقباً**) حضرت موسیٰ نے اس علمی سفر کے آغاز پر سفر کی مدت کے بارے میں **حقب** کا لفظ استعمال فرمایا لغت میں **حقب** اسی (٨٠) سال کی مدت کو کہتے ہیں صحیح یہ ہے کہ زمانۂ دراز کو **حقب** کہا جاتا ہے، یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے استاد سے ملاقات کیلئے اسی (٨٠) سال تک یا زمانۂ دراز تک سفر کرتے رہنے کا پختہ عزم و ارادہ لے کر نکل

رہے ہیں، اور دل میں مقصود یہ ہے کہ چاہے کتنا ہی زمانہ سفر میں گزر جائے جب تک اس منزل مقصود پر نہ پہنچوں سفر جاری رکھوں گا۔

طالب علموں کیلئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ جملہ رہبری کرتا ہے کہ وہ حصول علم کی خاطر طویل سے طویل سفر کیلئے بھی بشاشت کے ساتھ آمادہ اور راغب ہوجائیں، تجربات ومشاہدات شاہد ہیں کہ صحابہء کرامؓ نے ایک ایک حدیث کیلئے ایک ایک مہینہ کا طویل سفر بھی کیا ان کی اس تھکان نے انکو علم سے بیزار نہیں کیا بلکہ رغبت پیدا کی، اولیاء امت اور سلف صالحین نے بھی علوم وفنون کے حصول کیلئے طویل ترین سفر فرمایا ہے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، حضرت امام بخاریؒ اور ان جیسے بے شمار اولیاء امت و محدثین نے حصولِ علم کیلئے مشقتوں اور صعوبتوں کے ساتھ خطرات ودہشت کے عالم میں طویل سے طویل سفر فرمایا۔

حضور ﷺ نے اہل عرب سے خطاب کرتے ہوئے اسی حقیقت کو بیان فرمایا تھا کہ اطلبواالعلم ولو بالصین علم حاصل کرو اگر چہ تمہیں چین جیسے دور دراز ملک کا بھی سفر کرنا پڑے۔

حصول علم کیلئے مشکلات کا سامنا

ہر چیز محنت وکوشش سے حاصل ہوتی ہے (اگر چہ کہ بعض چیزیں وہبی (عطائی) بھی ہوتی ہیں مگر قدرت نے یہ نظام بنایا ہے کہ آدمی کوشش ومحنت کرے اور چیزوں کو پانے کی کوشش کرے، وان لیس للانسان الا ماسعٰی، انسان کیلئے وہی ہے جو وہ کوشش کرتا ہے اور یہ بھی بتلادیا گیا کہ من جدّ وجد کہ عموماً جو بھی کوشش کرتا ہے وہ اپنی کوشش کا صلہ ضرور پالیتا ہے، دنیا اور آخرت کی کامیابی کیلئے کوشش ومحنت لازمی ہے، علوم وفنون کیلئے بھی محنت وکوشش کے ساتھ اس راہ میں درپیش مشکلات کا سامنا کرنا اور ہمت کے ساتھ ان مشکلات کو برداشت کرنا بھی ضروری ہے، عموماً ہر چیز کے پانے کیلئے مشکل ضرور ہے، خصوصاً علم کے حصول کیلئے صرف مشکل نہیں بلکہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا

ہے(**لکل شیئ آفة وللعلم آفات**) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی اس علمی سفر میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، محنت و مشقت کرنی پڑی، بھوک و پیاس کو برداشت کرنا پڑا اور تھکن سے دوچار ہونا پڑا، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رفیق سفر سے یہ کہا کہ **اٰتنا غداء نا لقد لقینامن سفرناھذا نصبا** ۔ ہمارا ناشتہ تو لاؤ ہم کو تو اس سفر میں بڑی تکلیف پہنچی ۔

طالب علموں کیلئے حضرت موسیؑ کا یہ قول ایک رہنما اصول کی نشاندہی کررہا ہے کہ جب علم حاصل کرنے کیلئے میدان میں کود چکے ہو تو اب مصائب، آفتوں اور مشکلات کے سامنے سینہ سپر ہوکر کھڑے ہوجاؤ یہ علمی سفران تمام مراحل کا مجموعہ ہے اسی لئے یہ حکمت کی بات زبان زد ہیکہ اللہ تعالیٰ نے علم کو مشقتوں میں رکھا ہے، لوگ اسکو آرام وسہولت کے ماحول میں حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، بھلا وہ حقیقی علم کہا پاسکیں گے؟

اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو علم سے آراستہ کرنے کیلئے اسی مقام پر حضرت خضر علیہ السلام کو بھیج دیتے لیکن قدرت کو یہ منظور تھا کہ وہ اس اصول سے ساری انسانیت کو عموماً اور طالب علموں کو خصوصاً آگاہ کریں کہ علم سفر کی صعوبتوں کے بعد حاصل ہوتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مجمع البحرین پہنچنے کے بعد بھی ایک بھول کے ذریعہ ایک دن اور ایک رات کا راستہ مزید طے کرایا گیا اور بھوک و پیاس کی شدت پیدا کی گئی پھر الٹے پاؤں لوٹ کر آنا پڑا اس کے بعد علم کے دروازے کھولے گئے۔

راہ علم کی نشاندہی

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام کے بارے میں بتایا گیا تو ابی ابن کعبؓ کی روایت کے مطابق جو بخاری میں مذکور ہے حضرت موسیؑ نے اللہ تعالیٰ سے چاہا کہ حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کی راہ بتائی جائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو انکے لئے نشانی بنادی حضرت موسی علیہ السلام کے اس سوال سے طالب علموں کو ایک سبق یہ ملتا ہے کہ وہ

جب علم دین حاصل کرنے کیلئے نکلیں تو اللہ تعالیٰ سے راہ علم کے بارے میں دعاء کرلیں کہ اللہ تعالیٰ علم حاصل کرنے کی ایسی راہ پیدا فرما دے جو مفید اور نافع ہو، عموماً طلباء حصول علم کے بعض مراحل میں تذبذب کا شکار رہتے ہیں کہ وہ کس ادارہ سے علم حاصل کریں اور کہاں جائیں؟ ان طالب علموں کو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ سے دعاء کرنی چاہیے اپنے سرپرستوں کے مفید مشوروں اور ماں باپ کے حکموں کے مطابق عمل کرنا چاہیے، اس سلسلہ میں استخارہ کرنا بھی اللہ تعالیٰ سے گویا اس معاملہ میں رائے لینا ہے۔

حصول علم میں شیطان کی شرارت

حضرت موسیٰ کے اس علمی سفر کا واقعہ بالتفصیل لکھا جاچکا ہے جس میں یہ بات بھی لکھی گئی ہے کہ مجمع البحرین سے آگے نکل جانے اور یوشع بن نون کے اس محیر العقول واقعہ کے بیان کرنے کو بھول جانے کے بعد انہوں نے یہ جملہ کہا تھا **وما انسنیہ الاالشیطٰن ان اذکرہ** مجھ کو شیطان نے بھلا دیا کہ میں اس کا ذکر کرتا۔

اس واقعہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حصول علم کی راہ میں شیطان طالب علم کو علم سے باز رکھنے اور محروم کردینے کی ناپاک کوشش کرتا ہے وہ چاہتا ہے کہ انسان علم سے دور رہے، علم کی اس روشنی سے انسان نیک بن جائے گا پھر وہ جنت کا مستحق بن جائے گا، اسی لئے کہا گیا کہ شیطان سب سے زیادہ علم کی راہ میں رکاوٹ بنتا ہے، وہ طالب علم کو بھٹکانے اور علم سے دور رکھنے کی حتی المقدور کوشش کرتا ہے اور اس کیلئے جتنے حربے ہوسکتے ہیں ان کو استعمال کرتا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور یوشع بن نون علمی سفر پر ہیں اور استاد سے ملاقات کی جگہ پہنچے ہیں اور جس پتہ کی نشاندہی کی گئی ہے وہاں تک ان کی رسائی ہوچکی ہے، اور مچھلی کو پانی میں راستہ بنا کر جاتے ہوئے یوشع بن نون نے دیکھا ہے جب کہ حضرت موسیٰ سوئے ہوئے ہیں مگر جاگنے کے بعد اتنے اہم واقعہ کا ذکر محض اسی لئے نہ کرسکے کہ شیطان نے اس واقعہ کو بھلا دیا۔

طالب علموں کیلئے اس میں بہت بڑا سبق یہ ہے کہ علم کی راہ میں شیطان اپنی پوری طاقت آزماتا ہے، یہی وجہ ہے کہ کتنے طلبہ علم دین کا آغاز کرتے ہیں مگر اکثریت ایسے طلبہ کی ہوتی ہے جو درمیان ہی میں پھسل جاتے ہیں۔ طالب علم کو جہاں حصول علم میں محنت وجدت جاری رکھنی ہے وہیں شیطان کے حربوں سے چوکنا رہتے ہوئے اس کو ذلیل ورسوا کرنا اور اپنے آپکو علم کی راہ میں ثابت قدم رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

مطالعہ میں غرق رہیں

فاتخذ سبیله فی البحر سربا مچھلی نے دریا میں سرنگ جیسا اپنا راستہ بنالیا، اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی زنبیل میں مچھلی لے کر چلے، اس مچھلی کے بارے میں یہ بات بتائی گئی کہ وہ مچھلی زنبیل سے سمندر کے اندر کو دجانے کیلئے جست لگائی اور پانی میں گئی اور پانی میں سیدھا سوراخ ہوتا چلا گیا، پس جس طرح زمین میں سوراخ اور سرنگ بن جاتی ہے اسی طرح پانی میں جہاں سے وہ گئی سوراخ ہوگیا، ادھر ادھر پانی کھڑا ہوگیا اور وہ سوراخ بالکل کھلا ہوا رہا پتھر کی طرح پانی میں چھید ہوگیا۔

اگر طالب علم مچھلی کے اس طرح پانی میں غرق ہونے اور راہ بنانے پر غور کرے تو ایک لطیف نکتہ ذہن میں آسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس علمی سفر میں قدرت کا ایک کرشمہ اور طالب علموں کیلئے اس میں سمجھنے کی ایک بات بتائی ہے کہ جس طرح مچھلی پانی میں کود گئی ہے طالب علموں کو کتابوں کی دنیا میں کود جانا چاہیے، جس طرح مچھلی نے سرنگ بنایا ہے اور غرق ہوگئی طالب علموں کو بھی مطالعہ میں اسی طرح غرق ہونا چاہیے اور جس طرح مچھلی نے سرنگ بنائی اور راستہ بنتا گیا بالکل اسی طرح طالب علم جب مطالعہ میں غرق ہوتا ہے حقائق کے دروازے کھلتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ علم کی اس منزل پر پہنچ جاتا ہے جہاں پہنچنا اسکے علم کا تقاضا ہوتا ہے۔

علمی سفر اور ساتھی کا انتخاب

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے علمی سفر کے آغاز پر حضرت یوشع بن نون کو اپنا رفیق سفر منتخب فرمایا، ویسے بھی سفر وہی آسان ہوتا ہے جس میں رفیق سفر ہوتا ہے، آپ ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کو ہجرت کے موقع پر رفیق بنایا، حضرت موسیٰؑ نے فرعون کے دربار میں پہنچنے کیلئے حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنے ساتھ لیا، جہاں عام سفروں میں ساتھی کی اہمیت ہے وہیں علمی سفر میں بھی ساتھی کی اہمیت ہوتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس واقعہ میں سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اور اس کے فوری بعد ان کے نوجوان رفیق کا تذکرہ کیا گیا اور واقعہ کا آغاز **واذقال موسیٰ لفتٰہ** سے فرمایا، ساتھی ساتھ رہنے والے کو کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کے نام کے ساتھ ہی **لفتٰہ** ان کے نوجوان ساتھی کا تذکرہ فرمایا۔

علمی مراحل کے باآسانی طے ہونے میں ساتھی کی ضرورت ناگزیر ہے، ساتھی کی مدد سے کتابوں کے مسائل حل ہوسکتے ہیں، عبارتیں حل ہوتی ہیں، کسی بھی موضوع پر مذاکرہ ہوسکتا ہے، تنہا طالب علم کا علم اس قدر گہرا نہیں ہوتا جتنا کہ اس طالب علم کا جو اپنے علمی ساتھی کے ساتھ رہتا ہے، لیکن طالب علم کو چاہیے کہ وہ ایسے ساتھی کا انتخاب کرے جو اس کے علم کی گہرائی و وسعت کا سبب بن سکے، آج کل طالب علموں کے علم میں جھول اور نقص کا حقیقی ذریعہ تو ان کا ساتھی ہی ہوتا ہے جو ہر معاملہ میں ساتھ دیتا ہے مگر علم کے معاملہ میں وہ اس کیلئے زہر ثابت ہوتا ہے۔

حضرت موسیٰؑ کی درخواست

استاد اور شاگرد کے درمیان جو تعلق قائم ہوتا ہے اس کی ابتدا سلام وتعارف کے بعد درخواست سے ہوتی ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کو سلام کیا اور اپنا تعارف پیش کیا پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے یوں درخواست کی ھل

اتبعك علی ان تعلمن مما علمت رشدا کہ کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں اس شرط سے کہ جو علم مفید آپ کو سکھلایا گیا ہے اس میں سے آپ مجھ کو بھی سکھلا دیں۔

حصول علم کا یہی اصول ہے کہ طالب علم استاد کے ساتھ ادب واحترام کے ساتھ اس بات کی درخواست پیش کرے کہ میں آپ کے پاس رہ کر علم سیکھنا چاہتا ہوں، یہ اصول جس طرح ایک شاگرد کا ایک استاد کے سامنے پیش کرنے کیلئے ضروری ہے اسی طرح ایک شاگرد کا ایک ایسے ادارہ کے سامنے درخواست پیش کرنے کیلئے بھی ضروری ہے، طالب علم کا یہ فریضہ ہے کہ وہ کسی علمی ادارہ یا کسی عالم دین سے علم حاصل کرنے سے پہلے اجازت طلب کرے اسی کو مدارس کی اصطلاح میں درخواست داخلہ کہا جاتا ہے جس کیلئے مدرسہ خود معقول ومروجہ فارم فراہم کرتا ہے جس کو امیدوار پڑھتا ہے اور اس فارم میں موجود شرائط واصول کو قبول کرتے ہوئے دستخط کر دیتا ہے۔

شاگرد استاد کے تابع ہے

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے درخواست پیش کرتے ہوئے **ھل ابتعک** کے اس جملہ کے ذریعہ طالب علم کو اس بات کا درس دیا ہے کہ اپنے استاد کا اتباع کرے یعنی اسکے نقش قدم پر رہے اور اسکے ساتھ ساتھ رہے، وہ شاگرد محروم اور گستاخ سمجھا جائے گا جس میں اتباع کرنے کا وصف نہ ہو۔ وہ طالب علم محروم القسمت ہے جو استاد کی اتباع کو عار سمجھتا ہے اور استاد کی نافرمانی کو اپنا حق تصور کرتا ہے، اور اس نافرمانی پر وہ مغرور بھی ہوتا ہے۔

شاگرد کو صبر سے کام لینا چاہیے

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب حضرت خضر علیہ السلام سے درخواست پیش کی تو حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یوں فرمایا کہ اے موسیٰ **انک لن تستطیع معی صبرا** آپ سے میرے ساتھ رہ کر صبر نہ ہو سکے گا بھلا ایسے امور پر آپ کیسے

صبر کریں گے جو آپ کے احاطۂ واقفیت سے باہر ہیں۔

حضرت خضرؑ اپنے شاگرد سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شریعت کا جو علم تم کو دیا ہے اس علم کے اعتبار سے میں ایسے کام کروں گا جو بظاہر نامناسب یا ناجائز ہوں ظاہر ہے کہ شریعت کے خلاف کوئی کام کرتا ہوا تم مجھ کو دیکھو گے تو ضرور تم مجھ پر اعتراض کرو گے اور روک ٹوک کرو گے اور اللہ تعالیٰ نے مجھے بعض ایسے علوم دیئے ہیں جن سے تم بے خبر ہو اور ان علوم خاصہ کی روشنی میں میں ایسے کام کروں گا جن کو دیکھ کر تم خاموش نہ رہ سکو گے اور اعتراض کر بیٹھو گے ظاہر ہے کہ یہ بات اصول کے خلاف ہے کہ اپنے استاد کے کسی عمل پر شاگرد اعتراض کرے اور روک ٹوٹ کرنے لگ جائے، استاد نے شاگرد کو اس بات سے آگاہ کر دیا گویا استاد نے شاگرد کے سامنے یہ شرط رکھی کہ علم کے حاصل کرنے کیلئے سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ تم ہمارے ہر کام کو دیکھتے رہو صبر سے کام لیتے ہوئے خاموشی کو اختیار کرلو۔

حضرت خضر علیہ السلام کے اس جملہ سے یہ اصول ظاہر ہوا کہ استاد کو یا کسی علمی ادارہ کو اس بات کا حق ہے کہ وہ اپنے شاگرد یا طالب علم کے سامنے شرائط رکھ دے اگر شرائط منظور ہوں تو داخلہ دیا جائے ورنہ نہیں، موجودہ دور میں علمی اداروں کے داخلہ فارم میں شرائط کا رہنا اصول کے خلاف نہیں ہے یا کسی کو علم سے محروم کرنے کا سبب نہیں ہے، یہ طالب علموں پر کوئی ظلم وزیادتی نہیں ہے بلکہ ان کا یہ عمل اصول کے دائرہ میں ہے۔ جس میں طالب علم کی افادیت ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام نے شاگرد سے یہ کہہ دیا کہ اگر آپ میرے ساتھ رہ کر علم حاصل کرنا چاہتے ہو تو کسی معاملہ کے متعلق مجھ سے کچھ پوچھنا نہیں جب تک کہ میں خود آپ کو اس کی حقیقت نہ بتلادوں۔

شاگرد کا اقرار کرنا

جب طالب علم کسی عالم یا ادارہ سے علمی استفادہ کا ارادہ کرتا ہے اور درخواست پیش کرتا ہے اور اسکے سامنے شرائط رکھے جاتے ہیں تو طالب علم ان شرائط کو غور سے دیکھنے کے

بعد اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ میں ان شرائط پر عمل کروں گا حصول علم کا یہی طریقہ ہے کہ طالب علم ان شرائط پر عمل پیرا رہنے کا پہلے اقرار کرے، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی یوں اقرار کیا، **ستجدنی ان شاء اللہ صابرا** ، ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے۔

حضرت موسیٰ کے اس جملہ سے ایک سبق تو یہ ملتا ہے کہ طالب علم کو چاہیے کہ وہ اپنے استاد کے شرائط کو قبول کرلے اور اس بات کا اقرار کرلے کہ وہ ان شرائط کا پابند رہے گا، اور دوسرا سبق یہ ملتا ہے کہ اس اقرار کے وقت طالب علم کو اپنی قوت وطاقت پر اعتماد نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف اپنے مستقبل کے عزم کو منسوب کرے اور اس اقرار و اعتراف کو اللہ تعالیٰ کی مشیت وارادہ سے جوڑ دے، یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اقرار کرتے ہوئے صرف یہ نہیں کہا کہ آپ مجھ کو صابر پائیں گے بلکہ یہ بھی کہا کہ اگر اللہ نے چاہا تو آپ مجھ صابر پائیں گے، جس رب کی معرفت کے حصول کیلئے علم کے سیکھنے کا آغاز کررہا ہے اس رب کے ارادہ اور مشیت کو فراموش کرنا نادانی کی بات ہوگی۔

شاگرد نافرمانی نہ کرے

کامیاب، بامراد اور بااخلاق طالب علم کا فریضہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے استاد سے علم حاصل کرتے ہوئے اس کی فرمانبرادری کو ملحوظ رکھتا ہے، وہ کبھی اپنے استاد کی نافرمانی نہیں کرتا، طالب علم کی فرمانبرداری اس کے نیک سیرت ہونے کی بین دلیل ہے، اور فطری طور پر استاد کی نگاہوں میں اسی طالب علم کی قدر ہوتی ہے جو فرمانبردار ہو اور صابر بھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے استاد کے سامنے اقرار کرتے ہوئے جہاں اس بات کا یقین دلایا کہ وہ صبر سے کام لیں گے وہیں **ولا اعصی لک امرا** کہہ کر اپنے اس جذبہ کا اظہار بھی فرمایا کہ میں نافرمان بنکر ساتھ نہیں رہوں گا بلکہ ایک فرمانبردار طالب علم کی حیثیت سے آپ کے ساتھ رہوں گا۔

حصولِ علم کیلئے شاگرد کا فرمانبردار ہونا لازمی ہے جسکے بغیر نہ علم کی وسعت وگہرائی

نصیب ہوتی ہے اور نہ ہی علم کی وہ نورانیت نصیب ہوتی ہے جسکے ذریعہ لوگ ہدایت کا راستہ پاسکتے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ قیمتی جملہ طالب علموں کیلئے زرین اصول پیش کررہا ہے، آج کل طلباء میں نافرمانی کے جذبات زیادہ اور فرمانبرداری کے جذبات کم پائے جاتے ہیں ، یہی وجہ ہے کہ انکے علم میں وہ نورانیت محسوس نہیں ہوتی جو ہمارے اسلاف میں ان کی فرمانبرداری کے نتیجہ میں پائی جاتی تھی، مدرسہ کے قوانین کی خلاف ورزی بھی نافرمانی ہی میں داخل ہے۔

کیا شاگرد کو سوال کا حق ہے؟

تعلیم وتعلم کے دوران مختلف قسم کے سوالات طالب علم کے ذہن میں آتے ہیں، سوال یہ ہے کہ کیا شاگرد کو یہ حق ہے کہ وہ اپنے استاد سے اس علم کے بارے میں کوئی سوال کرے؟ ہاں! شاگرد کو حق ہے کہ وہ اپنے استاد سے سوال کرے، اس مسئلہ کے بارے میں جس کی بحث چل رہی ہے، اس لئے کہ سوال سے علم میں اضافہ ہوتا ہے، لیکن جب شاگرد کو یقین ہو کہ اس کے ذہن میں آنے والے سوال کا جواب استاد خود آگے دیں گے تو پھر شاگرد کو چاہیے کہ وہ استاد کی باتوں کو بغور سنتا رہے اور صبر کرتا رہے یہاں تک کہ استاد خود اس سوال کا تشفی بخش جواب دیدیں، حضرت خضر علیہ السلام نے اپنے اس جملہ کے ذریعہ یہ اصول حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بالراست اور سارے شاگردوں کو بالواسطہ دیا ہے کہ فان اتبعتنی فلا تسئلنی عن شیئی حتی احدث لك منه ذکرا اگر آپ میرے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو اتنا خیال رہے کہ مجھ سے کسی بات کی نسبت کچھ پوچھنا نہیں جب تک کہ اس کے متعلق میں خود ہی ابتداء ذکر نہ کردوں۔

ہاں! جب کسی مسئلہ پر پوری بحث ہوجائے اور استاد کسی دوسرے مسئلہ کی طرف متوجہ ہونے لگے تو اب شاگرد کو اختیار ہے کہ وہ مہذب انداز میں ادب اور سنجیدگی کے ساتھ اپنے استاد سے سوال کرے، یہ بھی یاد رہے کہ استاد سے سوال اسلئے نہ کرے کہ استاد کی

آزمائش کی جائے بلکہ نیک نیتی کے ساتھ ہو کہ معلومات میں اضافہ کو مقصد بنایا جائے اور سوال کرتے ہوئے اپنے نظریہ اور اپنی فکر کو منوانے پر مصر نہ ہو بلکہ حق کو پانے کی فکر پیش نظر رہے۔

بڑا آدمی چھوٹے آدمی سے بھی علم حاصل کرسکتا ہے

عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ شاگرد ہر اعتبار سے چھوٹا ہو اور استاد ہر اعتبار سے بڑا ہو، علم مہد سے لحد تک ہے، کبھی چھوٹے آدمی کو بڑے آدمی سے علم حاصل کرنا پڑتا ہے کبھی بڑے آدمی کو چھوٹے آدمی سے علم حاصل کرنا پڑتا ہے، اللہ تعالیٰ کبھی کسی چھوٹے آدمی کو وہ علم عطا فرماتے ہیں جو کسی بڑے سے بڑے آدمی کو بھی عطا نہیں ہوتا، اس لئے یہ تصور ذہن میں نہیں رہنا چاہیے کہ چھوٹے آدمی سے علم حاصل کرنا شرمندگی یا عار کی بات ہے، چاہے وہ چھوٹا ہونا عمر کے اعتبار سے ہو یا مقام ومرتبہ کے لحاظ سے، ہمیں حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف حاصل کیا، سبق حاصل کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبی اور رسول بنایا اور کلیم اللہ کے خطاب سے نوازا اور معجزوں سے نوازا، لیکن آپ علیہ السلام کو ایک ایسے استاد کا شاگرد بنایا جارہا ہے جس شاگرد کی نبوت میں بھی اختلاف ہے، حضرت خضر علیہ السلام کے نبی ہونے میں بھی اختلاف ہے، اگر حضرت خضر علیہ السلام کو نبی بھی مان لیا جائے تو وہ رسول تو نہیں ہیں جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام رسول بھی ہیں اور نبی بھی اور رسول تو خاص ہوتا ہے نبی کے مقابلہ میں، مقام ومرتبہ میں بڑے ہونے کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کے شاگرد بنے ہوئے ان کے ساتھ ساتھ چل رہے ہیں اور ان کی اتباع کررہے ہیں۔

حصولِ علم کا شوق

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس واقعہ میں آپ نے پڑھ لیا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی زبان

سے یہ جملہ نکل گیا تھا کہ میں سب سے زیادہ علم والا ہوں، اللہ تعالیٰ کو یہ جملہ پسند نہ آیا تو ان کی تنبیہ کیلئے ایک ایسے بندہ کا ان کو پتہ دیا گیا جنکے پاس اللہ کا دیا ہوا ایک خاص علم تھا، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس نہ تھا اگر چہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا علم انکے علم کے مقابلہ میں بہت بڑا ہوا تھا مگر چونکہ وہ علم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس نہ تھا جو حضرت خضر علیہ السلام کے پاس تھا اسلئے اس علم کے حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا جب معلوم ہوا کہ کہیں اور بھی علم ہے تو اس علم کی طلب کیلئے نکل پڑے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس جذبہ نے آج کے طالب علموں کو یہ سبق دیا ہے کہ ہمیں اپنے پاس موجود علم پر قناعت نہیں کرنی چاہیے، مال و دولت میں قناعت کر لینا قابل تعریف ہے جبکہ علم و ہنر میں قناعت کر لینا اور اپنے علم کو ہی سب کچھ سمجھ لینا قابل مذمت ہے۔

طالب علموں کو چاہیے کہ جب انہیں معلوم ہے کہ فلاں ادارہ میں یا فلاں عالم کے پاس فلاں مضمون پر کافی مواد موجود ہے تو ان کو چاہیے کہ وہ شریعت کے حدود میں رہتے ہوئے وہاں سے اس علم کو حاصل کرنے کی کوشش کریں، حصولِ علم کا شوق انبیاء کرام اور صحابۂ عظام کا وصفِ خاص رہا ہے۔

شاگرد اپنی غلطی پر فوراً معافی مانگ لے

جب حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی میں سوراخ کر دیا اور حضرت موسیٰؑ یہ دیکھ کر اپنے قول و قرار پر قائم نہ رہ سکے اور فوراً بول پڑے کہ کیا آپ نے اس کشتی میں اسلئے سوراخ کیا ہے کہ اسکے بیٹھنے والوں کو غرق کر دیں، ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اس طرح کہنا ظاہری اصول کے خلاف تھا، اسلئے کہ دونوں کے درمیان میں یہ معاہدہ ہو چکا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کچھ نہیں کہیں گے اسکے باوجود جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اعتراض کیا تو حضرت خضر علیہ السلام نے وہ اصول یاد دلایا اور پھر حضرت موسیٰؑ سے صبر نہ ہو سکنے کی بات کہی اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور یہ اعتراض محض بھول چوک کی وجہ سے

ہوا تھا تو فوراً کہنے لگے کہ **لا تواخذنی بما نسیت ولا ترھقنی من امری عسرا** آپ میری بھول چوک پر گرفت نہ کیجئے اور میرے اس معاملہ میں مجھ پر زیادہ تنگی نہ کیجئے اتنی کہ بھول چوک بھی معاف نہ ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بحیثیت شاگرد معافی چاہتے ہوئے جو جملہ کہا ہے وہ شاگردوں کو یہ زرین اصول بخشتا ہے کہ جب شاگرد سے کوئی خطا، لغزش، بھول چوک یا غلطی ہو جائے تو وہ فوراً اس غلطی کا اقرار اور اعترف کرلے اور اس کی وجہ بھی بیان کردے اور رحم وکرم کی درخواست بھی استاد سے کردے، کوئی ایسا جملہ کہدے جس سے فطری اور طبعی طور پر استاد کے دل میں رحم وکرم کا جذبہ پیدا ہو جائے، حضرت موسیٰؑ نے عذر ومعذرت کرتے ہوئے سب سے پہلے یہ کہا کہ میری بھول چوک پر گرفتار مت کیجئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کو یہ احساس دلایا ہے کہ بھول چوک تو غیر اختیاری ہے اور غیر اختیاری غلطی پر معافی ہی مناسب ہے اس لئے رحم کی اپیل کرتے ہوئے کہا کہ غیر اختیاری چیز پر گرفت فرما کر مجھے تنگی میں نہ ڈالیئے۔

آج کل طالب علموں میں بھول چوک سے غلطی بہت کم، عمداً اور شرارتاً بہت زیادہ ہوتی ہے اور اس کے باوجود ان کی زبان سے معافی، عذر اور رحم کی اپیل کا کوئی جملہ نہیں نکلتا بلکہ الٹے استاد ہی کو قصوروار اور ظالم قرار دینے لگتے ہیں، انہی حرکتوں کی وجہ سے وہ استاد کے رحم وکرم کے مستحق بھی نہیں ہوتے۔

استاد معاف بھی کردیتا ہے

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اعتراض کیا تو حضرت خضر علیہ السلام نے تنبیہ کی اور قول وقرار یاد دلایا کہ میں نے تم سے کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کرسکو گے یہ سنتے ہی حضرت موسی علیہ السلام نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور معافی مانگ لی تو حضرت خضر علیہ السلام نے انہیں اپنے ساتھ رہنے کی اجازت دیدی، حضرت خضر علیہ السلام کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اعتراض کرنے کے

باوجود اپنے ساتھ رکھنا ہی معاف کر دینا تھا اس سے معلوم ہوا کہ جب شاگرد صدق دل سے معافی مانگتا ہے اور اپنے قصور کا اعتراف کرتا ہے تو استاد اسکو معاف کر دیتا ہے، استاد کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے شاگرد کی حالت کا جائزہ لے اگر واقعی اس سے غلطی سرزد ہوئی ہے اور وہ اپنی غلطی پر نادم بھی ہے اور معافی کا خواستگار بھی تو استاد کا اخلاقی فریضہ ہے کہ وہ اس کو معاف کر دے اور علم سے محروم نہ کرے جیسا کہ بعض اعتدال کی راہ سے ہٹے ہوئے اساتذہ طالب علم کی غلطی پر باوجود اسکے نادم ہونے اور معافی چاہنے کے سخت رویہ اختیار کرتے ہیں اور انکی یہ سختی علم سے محرومی کا ذریعہ بن جاتی ہے، حضرت خضر علیہ السلام کا یہ طریقہ اساتذہ کرام کیلئے بھی نمونہ ہے۔

استاد اور شاگرد دونوں حق پر

جب حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کشتی سے اتر کر چلنے لگے یہاں تک کہ ایک کمسن لڑکے سے دونوں کی ملاقات ہوئی تو حضرت خضر علیہ السلام نے اس لڑکے کو مار ڈالا بظاہر اس کا کوئی قصور نہیں، ایک نابالغ لڑکے کو جو گناہوں سے پاک ہوتا ہے اچانک بغیر کسی قصور کے مار ڈالنا بظاہر خلاف شریعت عمل تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فوراً یوں اعتراض کیا کہ اقتلت نفسا زكية بغير نفس لقد جئت شيئا نكرا۔ آپ نے ایک بے گناہ جان کو ہلاک کر دیا اور وہ بھی بغیر کسی جان کے بدلے، بے شک آپ نے بڑی بے جا حرکت کی۔

اس واقعہ میں ایک طرف حضرت خضرؑ کا عمل برا معلوم ہو رہا ہے تو دوسری طرف ایک شاگرد کا استاد سے اعتراض کرنا گستاخی محسوس ہو رہی ہے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ دونوں کا عمل اپنی اپنی جگہ حق ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام نے اس نابالغ لڑکے کو جو قتل کیا تھا وہ اس حکم الٰہی کی وجہ سے تھا جو بطور خاص خضر علیہ السلام کو دیا گیا تھا، تکوینی طور پر بعض امور ایسے ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ

اپنے خاص بندوں کو اس کا علم عطا فرماتے ہیں، اور حضرت موسیٰؑ کا اعتراض کرنا بھی اپنی جگہ درست اس لئے تھا کہ ان کی شریعت کے علم کے مطابق حضرت خضر علیہ السلام کا یہ عمل ظلم کے مترادف تھا۔

عموماً شاگرد اور استاد کے درمیان جب اختلاف ہوتا ہے تو دونوں میں سے ایک حق پر اور دوسرا باطل پر ہوتا ہے مگر یہاں معاملہ حق اور باطل کا نہیں ہے بلکہ دونوں طرف حق ہی کا معاملہ ہے، اس سے یہ معلوم ہوا کہ شاگرد کو حق ہے کہ جب وہ اپنے استاد کو خلاف شریعت کوئی عمل کرتا ہوا دیکھے تو اس پر روک ٹوک کرے اس لئے کہ شریعت پر عمل کرنے میں استاد مستثنیٰ نہیں ہے لیکن ادب تعظیم کا لحاظ رہے۔

رہی بات اس واقعہ کی یہاں تو حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قول وقرار لے لیا تھا، اس قول وقرار کی بنیاد پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خاموش رہنا چاہیے تھا اور صبر سے کام لیتے ہوئے انتظار کرنا چاہیے تھا یہاں تک کہ استاد خود اسکی حکمت، مصلحت اور خاص وجہ بیان کردے۔

استاد بالتدریج تنبیہ کرے

حضرت خضر علیہ السلام نے جب کشتی میں چھید ڈالدیئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہلا اعتراض کیا تو حضرت خضر علیہ السلام نے یوں تنبیہ کی قال الم اقل انك لن تستطيع معي صبرا میں نے کہا نہیں تھا کہ آپ سے میرے ساتھ صبر نہ ہوسکے گا۔

اور جب لڑکے کے قتل کرنے پر اعتراض کیا تو تنبیہ میں کچھ اور سختی یوں کی **قال الم اقل لک انک لن تستطیع معی صبرا** میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ آپ سے میرے ساتھ صبر نہ ہوسکے گا۔

حضرت خضر علیہ السلام نے دوسری مرتبہ تنبیہ میں قوت اور تاکید پیدا کرنے کیلئے لفظ ’’لک‘‘ کا اضافہ فرمایا کہ میں ’’تم‘‘ سے نہیں کہا تھا اس سے معلوم ہوا کہ استاد کو چاہیے کہ وہ طالب علم کی پہلی غلطی اور لغزش پر معمولی تنبیہ کرے اور دوسری غلطی پر تنبیہ میں کچھ اور سختی کرے۔

شاگرد کو چاہیے کہ ایک اور موقع مانگے

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دوسری مرتبہ بھول ہوگئی اور اعتراض پر اعتراض کیا اور حضرت خضر علیہ السلام کی تنبیہ کے الفاظ میں کچھ اور سختی محسوس کی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فوراً ہی ایک اور انداز اختیار کیا کہ ان سالتك عن شيئی بعدها فلا تصاحبنی اگر اس مرتبہ کے بعد میں آپ سے کسی امر کے متعلق پوچھوں تو آپ مجھ کو اپنے ساتھ نہ رکھیئے اس مرتبہ یہ عذر پیش نہیں کیا کہ مجھ سے بھول ہوگئی، معلوم یہ ہوا کہ لڑکے کے قتل پر جو سوال کیا تھا وہ عملاً کیا تھا اس لئے کہ یہ کام ظاہری شریعت کے احکام کے اعتبار سے بہت بڑا کام تھا، لیکن تکوینی اعتبار سے حضرت خضر علیہ السلام کی یہ ذمہ داری تھی۔

طالب علموں کو چاہیے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس جملہ پر غور کریں کہ انہوں نے حضرت خضر علیہ السلام سے ایک اور موقع مانگا ہے کہ اگر آئندہ کوئی سوال کروں تو مجھے شاگردی کے دائرہ سے باہر کردینا، جب بھی طالب علم سے کوئی عملاً یا سہواً چھوٹی یا بڑی غلطی، کوتاہی، لغزش یا خطا ہوجائے وہ اپنے استاد سے معافی مانگ لیں اور آئندہ نہ کرنے کا اقرار کریں، ایک اور موقع دیئے جانے کی درخواست پیش کریں، طالب علم کا یہ انداز استاد کے دل میں رحم وکرم کا جذبہ پیدا کرتا ہے اور وہ تھوڑی دیر سوچ کر شاگرد کے حق میں یہ فیصلہ کردیتا ہے۔

شاگرد اپنے استاد کا احسان یاد رکھے

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دوسری مرتبہ اعتراض کرنے کے بعد جہاں حضرت خضر علیہ السلام سے ایک اور موقع مانگا وہیں حضرت خضر علیہ السلام کے اس احسان کو بھی یاد دلایا کہ **قد بلغت من لدنی عذرا** آپ میری طرف سے عذر کی انتہا کو پہونچ چکے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس جملہ میں ایک طرف یہ محسوس ہو رہا ہے کہ وہ حضرت خضر علیہ السلام کے احسان کے سایہ تلے ہیں گویا حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰؑ کو معاف

فرما کر اور اپنے ساتھ رکھ کر ان پر بہت بڑا احسان فرمایا ہے ظاہر ہے کہ استاد کا اپنے شاگرد کو تعلیم کا موقع دینا بہت بڑا احسان ہی ہے، اور دوسری طرف حضرت موسیؑ کے اس جملہ میں ان کا یہ احساس بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ ان کی وجہ سے حضرت خضرؑ کو تکلیف ہو رہی ہے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کو تکلیف دینا نہیں چاہتے لیکن علم کے حاصل کرنے کے شوق کی وجہ سے اور حیرتناک کاموں کو دیکھ کر برداشت نہ کرنے کی وجہ سے مجبور بھی ہیں، حضرت موسیؑ کا یہ حساس جملہ آج کے ان طلبہ کیلئے سبق آموز ہے جو اپنے استاد کو تکلیف دے کر بھی فخر کرتے ہیں اور ان کی تکلیف میں راحت محسوس کرتے ہیں، ایسے طلبہ کو یہ بھی سوچنا چاہیے کہ جب وہ استاد کے درجہ پر فائز ہوں گے تو اسباب کی اس دنیا میں ایسے اسباب بھی پیدا ہو سکتے ہیں کہ کوئی شاگرد ان کیلئے دردسر بن جائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس جملہ پر کہ ”آئندہ اگر میں پوچھوں تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھئے“ رسول رحمت ﷺ نے یوں تبصرہ فرمایا ہے ابن جریر میں ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ دعا کرتے تو پہلے اپنے لئے دعا کرتے ایک روز فرمانے لگے ہم پر اللہ کی رحمت اور موسی علیہ السلام پر کاش کہ وہ اپنے ساتھی کے ساتھ اور بھی ٹھہرتے اور صبر کرتے تو اور بھی بہت سی تعجب خیز باتیں معلوم ہوتیں لیکن انہوں نے تو یہ کہہ کر چھٹی لے لی کہ اب اگر پوچھوں تو چھٹی کر دی جائے، میں اب زیادہ تکلیف میں آپ کو ڈالنا نہیں چاہتا۔

صبر سے علم بڑھتا ہے

مذکورہ حدیث نبوی ﷺ سے ایک سبق یہ بھی ملتا ہے کہ صبر سے علم کیلئے راہیں کھلتی ہیں، شاگرد میں جس معیار کا صبر ہوتا ہے اسی معیار کا علم اس کو نصیب ہوتا ہے، جو طالب علم چھوٹی چھوٹی باتوں پر بے صبری کا مظاہرہ کرتا ہے وہ علم کے اونچے درجات حاصل کرنے سے محروم رہ جاتا ہے، اور جو طالب علم حصولِ علم کے دوران بڑے بڑے مصائب کو برداشت کرتے ہیں اور ساری الجھنوں کو برداشت کرتے ہیں اور علم کی راہ میں آنے والی

مشقتوں کو جھیلتے ہیں وہی مستقبل کے شاہسوار ثابت ہوتے ہیں اور وہی اس قابل ہوتے ہیں کہ علم دین کا کوئی بڑا کارنامہ انجام دیں، تجربات ومشاہدات اس حقیقت کو سمجھنے کیلئے کافی ہیں، موجودہ دور کے وہ علماء وفضلاء جنکی علمی کاوشیں اور اس راہ میں حائل ہر قسم کی مشکلات پر صبر نے انکو وقت کا رہنما اور قائد بنایا ہے اور انکے علمی فیوض سے عوام وخواص مستفید ہو رہے ہیں یہ ساری روشنی ان کے ماضی کے صبر وتحمل کی عکاسی کرتی ہے۔

علمی سفر میں نصرت اور آزمائش

اللہ تعالیٰ کی ذات باسط بھی ہے قابض بھی، وہ کبھی اپنے بندوں کیلئے بسط (کشادگی) کا معاملہ کرتے ہیں اور اپنی نصرت کے دروازے کھول دیتے ہیں اور کبھی قبض (تنگی) کا معاملہ کرتے ہیں اور فقر وفاقہ میں مبتلا فرما کر اپنے بندوں کی آزمائش کرتے ہیں اور اس آزمائش میں کامیابی پانے والوں کو ترقیوں سے نوازتے ہیں، یہ صورت ایک طالب علم کو اپنے علمی سفر کے دوران بھی پیش آتی ہے، طالب علمی کے زمانہ سے گزرنے والوں کو ان مراحل سے بارہا گزرنا پڑتا ہے کہ کبھی تو ان کا جیب اتنا گرم ہوتا ہے کہ وہ خود بھی کھاتے پیتے ہیں اور دوسروں کو بھی کھلانے پلانے کی سکت وطاقت ان میں ہوتی ہے، اور کبھی انکی حالت ایسی ہو جاتی ہے کہ خود انکی ضرورت کو پورا کرنے کیلئے ان کے پاس کچھ نہیں ہوتا، اگر حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس علمی سفر پر غور کیا جائے تو یہ بات یہاں بھی محسوس ہوتی ہے کہ جب یہ دونوں کشتی پر سوار ہوتے ہیں تو نصرت کے دروازے کھلے ہوتے ہیں کہ کشتی والوں نے بغیر کرایہ کے دونوں کو بٹھالیا ہے، اور جب بستی والوں سے مہمان نوازی کی درخواست کی ہے تو کوئی بھی مہمان بنانے کیلئے تیار نہیں ہوتا، اسی بھوک وپیاس کی حالت میں ہیں اور آزمائش کی کیفیت سے دوچار ہیں، دینی مدارس کے طلبہ پر اگر اس قسم کے حالات آئیں تو انہیں سورۂ کہف کی تلاوت پوری توجہ سے کرنی چاہیے۔

صرف یہ ایک واقعہ ہی نہیں بلکہ سورۂ کہف میں حضرت موسیٰ وخضر کے واقعہ کے علاوہ

اصحاب کہف کا واقعہ بھی تو موجود ہے جس میں بھی وہی کیفیت ہے کہ اصحاب کہف اپنے ایمان کی بقا کیلئے آبادی سے دور غار میں پناہ لئے ہوئے ہیں، کھانے پینے کا کوئی سامان نہیں ہے، بظاہر ان کا جینا مشکل ہے مگر نصرت کے دروازے کھلتے ہیں اور نیند طاری ہوجاتی ہے، اور تین سونو برس تک اسی نیند کی کیفیت میں ہیں نہ بھوک کا احساس نہ پیاس کی شدت کا احساس، اور تین سونو برس کے بعد بیدار ہوتے ہیں تو اب آزمائش کا دور ہے کہ بھوک بھی لگ رہی ہے اور پیاس بھی لگ رہی ہے اور اپنے ساتھی کو چند سکوں کے ساتھ بھیج رہے ہیں کہ روٹی بوٹی کا انتظام ہوجائے۔

بہرصورت ہر مالدار وغریب حقیقی طالب علم کو ان حالات سے گزرنا پڑتا ہے، علم میں نورانیت صبر وتحمل کے بعد ہی پیدا ہوتی ہے۔

شاگرد استاد سے کب جدا ہو؟

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے گرتی دیوار کو اٹھانے کے بدلہ اجرت اور معاوضہ نہ لینے پر حضرت خضر علیہ السلام سے یوں کہا کہ اگر آپ چاہتے تو اس کام کی اجرت ہی لے لیتے، اس اعتراض کے بعد اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قول کے مطابق ہی کوئی گنجائش باقی نہ رہی کہ وہ حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ کچھ اور مدت رہیں، اس لئے حضرت خضر علیہ السلام نے فوراً کہا **ھذا فراق بینی وبینک** یہ وقت آپ کی اور ہماری علحدگی کا ہے، جب یہ جملہ کہہ دیا تو اصول کے مطابق حضرت موسیٰؑ کو ان سے جدا ہوجانا چاہیے تھا لیکن شاگرد اپنے استاد سے اسی وقت جدا ہوگا جب کہ علم کی وہ پیاس بجھ جائے ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہر اعتراض پر حضرت خضر علیہ السلام نے انہیں اپنے قول وقرار کی طرف ہی متوجہ فرمایا اور جس علم کے حاصل کرنے کیلئے حضرت موسیٰؑ اتنی دور سے تشریف لے آئے تھے وہ علم ابھی کامل طریقہ سے ملا ہی نہیں تھا، اور اعتراضات کے جوابات ابھی شاگرد کو نصیب نہیں ہوتے تھے، چنانچہ قاعدہ کے مطابق حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی میں چھید ڈالنے لڑکے کے قتل کرنے اور گرتی دیوار کے کھڑے کر دینے کی حقیقت بتلائی اور اپنے شاگرد کو مطمئن بھی کر دیا اور جن علوم سے وہ آشنا

نہیں تھے ان علوم سے اپنے شاگرد کو حضرت خضر علیہ السلام نے سیراب بھی کر دیا، طالب علم جب بھی کوئی تعجب خیز معاملہ دیکھے اور اس کی حقیقت کو سمجھ نہ سکے اس کو چاہیے کہ وہ اپنے استاد سے اس کی حقیقت دریافت کرلے۔ کشتی میں سوراخ کیوں کیا؟ بچے کو کیوں قتل کیا؟

دیوار کے نیچے کیا خزانہ تھا؟

حضرت خضر علیہ السلام نے گرتی دیوار کو جو اٹھا کر سیدھے ٹھہرا دیا تھا اور اسکی مرمت کی تھی اس کی وجہ یہ بیان کی تھی کہ یہ دیوار دو یتیم لڑکوں کی تھی جو اس شہر میں رہتے تھے اور اس دیور کے نیچے ان کا کچھ مال مدفون تھا جو ان کے باپ سے میراث میں پہونچا تھا، سوال یہ ہے کہ قرآن مجید نے اس مدفون مال کو کنز (خزانہ) سے تعبیر کیا ہے وہ کیا خزانہ تھا؟ اس خزانہ سے متعلق حضرت ابوالدرداءؓ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ روایت کیا ہے کہ وہ سونے اور چاندی کا ذخیرہ تھا (ترمذی)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ وہ سونے کی ایک تختی تھی جس پر نصیحت کے مندرجہ ذیل کلمات لکھے ہوئے تھے (قرطبی)

(۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۲) تعجب ہے اس شخص پر جو تقدیر پر ایمان رکھتا ہے پھر غمگین کیوں کر ہوتا ہے

(۳) تعجب ہے اس شخص پر جو اس پر ایمان رکھتا ہے کہ رزق کا ذمہ دار اللہ تعالیٰ ہے پھر ضرورت سے زیادہ مشقت اور فضول قسم کی کوشش میں کیوں لگتا ہے؟۔

(۴) تعجب ہے اس شخص پر جو موت پر ایمان رکھتا ہے پھر خوش وخرم کیسے رہتا ہے؟۔

(۵) تعجب ہے اس شخص پر جو حساب آخرت پر ایمان رکھتا ہے پھر غفلت کیسے برتتا ہے؟۔

(۶) تعجب ہے اس شخص پر جو دنیا کو اور اور اس کے انقلابات کو جانتا ہے پھر کیسے اس پر مطمئن ہو کر بیٹھتا ہے؟۔

(۷) لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

خلاف ورزی پر اخراج

حضرت خضر علیہ السلام نے جب دیکھا کہ حضرت موسیٰؑ بحیثیت شاگرد جس اقرار کے تحت ان کی اتباع میں ہیں اب وہ اپنے اقرار پر قائم نہیں رہے ہیں اور حضرت موسی علیہ السلام نے خود آئندہ اعتراض تک مہلت مانگی تھی، اب اعتراض کرلیا تو حضرت خضر علیہ السلام نے انہیں یہ پروانہ دے دیا کہ اب تم اپنی راہ دیکھ لو تعلیم وتعلم کا سلسلہ اب ختم ہو جائے گا، اس سے یہ معلوم ہوا کہ جن شرائط کی بنیاد پر طالب علم اپنے استاد سے استفادہ کرنا چاہتا ہے ان شرائط پر پابندی جب تک رہے گی اس وقت تک شاگرد کو استاد سے تعلیم حاصل کرنے کا حق ہے اور جب یہ شرط مفقود ہو جاتی ہے تو پھر استاد شاگرد کو اپنے سے جدا کرسکتا ہے۔

آج کل طالب علم جس قول وقرار کے ساتھ مدارس میں داخلہ لیتے ہیں اگر وہ اس قول وقرار کی خلاف ورزی کرتے ہیں تو مدرسہ کی انتظامیہ کو یہ حق ہے کہ وہ طالب علم کو مدرسہ سے خارج کردے۔

یہاں اتنی بات تو ذہن میں رکھنا چاہیے کہ موجودہ دور کے طالب علم کے اخراج کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اخراج سے تشبیہ نہیں دی جاسکتی۔

تشبیہ کے دروازوں کو بند کرتے ہوئے اس مسئلہ کو سمجھنے کی کوشش کرنا ہی سنجیدہ ہونے کی علامت ہے۔

❁ بحمداللہ تم ❁